ڈاکٹر علی شریعتی کے اس شہرہ آفاق مضمون کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

تہذیب اور جدت پسندی

اس بات پر بحث کہ کون مہذب (civilized) ہے اور کون جدید یا جدت پسند (modernized)، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بہترین طریقے سے کی جا سکتی ہے۔ خاص طور پر یہ معاملہ اسلامی معاشروں کے پڑھے لکھے طبقے سے تعلق رکھتا ہے جن کے کندھوں پر امت کی رہنمائی اور ذمہ داری کا بوجھ ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم مسئلہ ایک مسلط کردہ جدت پسندی (imposed modernization) اور حقیقی تہذیب (genuine civilization) کے درمیان تعلق کا ہے۔ بدقسمتی سے، ہم غیر یورپی اقوام پر جدت پسندی کو "تہذیب" کے بھیس میں مسلط کر دیا گیا ہے۔

مزید گفتگو سے پہلے، میں کچھ اصطلاحات کی وضاحت کرنا چاہوں گا:

۱۔ دانشور (Intellectual)

دانشور وہ شخص ہے جو ایک مخصوص سماجی اور تاریخی وقت اور جگہ میں اپنی "انسانی حیثیت" سے باخبر ہو۔ اس کا یہی شعور اس پر ذمہ داری کا بوجھ ڈالتا ہے۔ وہ ذمہ داری اور خود آگاہی کے ساتھ سائنسی، سماجی اور انقلابی اقدامات میں اپنے لوگوں کی قیادت کرتا ہے۔

۲۔ مماثلت اختیار کرنا / خود کو رنگنا (Assimilation)

یہ اس فرد کے طرزِ عمل پر صادق آتا ہے جو جان بوجھ کر یا نادانستہ طور پر کسی دوسرے کے طور طریقوں کی نقل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ایسا کمزور شخص اپنا پس منظر، قومی کردار اور ثقافت بھول جاتا ہے، یا اگر انہیں یاد بھی رکھتا ہے تو حقارت کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ وہ جنون کی حد تک اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے خود کا انکار کرتا ہے تاکہ اپنی شناخت کو بدل سکے۔ وہ اس شان و شوکت اور امتیازات کو حاصل کرنے کی امید میں، جو وہ دوسرے میں دیکھتا ہے، اپنے اصل معاشرے اور ثقافت سے جڑے مفروضہ شرمناک پہلوؤں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔

(Alienation) ۳۔ بیگانگی / خود فراموشی

اپنے آپ کو بھول جانے، اس سے ناواقف ہو جانے یا اس سے لاتعلق ہو جانے کا عمل۔ کو اپنے (perceptions) یعنی انسان اپنی ذات کو کھو دیتا ہے اور اپنے ادراکات اندر کے بجائے کسی دوسرے شخص یا چیز کے ذریعے چلاتا ہے۔

کا کیا مطلب ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ **(Cultural Alienation) "ثقافتی بیگانگی"** بیگانگی ایک ایسی حالت کو ظاہر کرتی ہے جس میں انسان اپنے آپ کو ویسا نہیں دیکھتا جیسا کہ وہ حقیقت میں ہے، بلکہ اپنی جگہ کسی اور چیز کا تصور کرتا ہے۔

ثقافت کیا ہے؟ اس کی تعریف کچھ بھی ہو، ثقافت میں کسی قوم کے فکری، غیر مادی، فنکارانہ، تاریخی، ادبی، مذہبی اور جذباتی اظہار (جیسے علامات، روایات، رسوم و رواج) کا مجموعہ شامل ہوتا ہے جو اس کی تاریخ کے دوران جمع ہوا اور جس نے ایک منفرد شکل اختیار کی۔

جب میں اپنی ثقافت کے ذریعے اپنے مذہب، ادب، جذبات، ضروریات اور درد کو محسوس کرتا ہوں، تو میں اپنی ذات کو محسوس کرتا ہوں—وہی سماجی اور تاریخی ذات، جو اس ثقافت کا سرچشمہ ہے۔ لیکن کچھ مصنوعی عوامل، جو شاید مشکوک نوعیت کے ہوں، ایک معاشرے میں رینگتے ہوئے داخل ہوتے ہیں جن کی روح اجنبی ہوتی ہے اور جو ایک بالکل مختلف ماضی اور ایک مختلف معاشرے (سماجی اور اقتصادی دونوں لحاظ سے) کی پیداوار ہوتے ہیں۔ یہ مصنوعی عوامل کسی بھی حقیقی ثقافت کو مٹا دیتے ہیں اور اس کی جگہ ایک ایسی جھوٹی ثقافت لے آتے ہیں جو بالکل مختلف حالات، ایک مختلف تاریخی مرحلے، ایک مختلف معیشت اور ایک مختلف سیاسی و سماجی سیٹ اپ کے لیے موزوں ہوتی ہے۔

تب جب میں اپنی حقیقی ذات کو محسوس کرنا چاہتا ہوں، تو میں اپنے آپ کو اپنی ثقافت کے بجائے کسی دوسرے معاشرے کی ثقافت کا تصور کرتے ہوئے اور ان پریشانیوں پر روتے ہوئے پاتا ہوں جو میری ہیں ہی نہیں۔ میں خود کو ان امنگوں،

نظریات اور دکھوں کو پالتے ہوئے پاتا ہوں جو جائز طور پر میرے علاوہ دیگر معاشروں کے سماجی، معاشی اور سیاسی حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔

میرا اپنی ذات کے بارے میں تصور وہ نہیں ہوتا جو میں حقیقت میں ہوں، بلکہ وہ ہوتا ہے جو "وہ" ہیں؛ یعنی میں بیگانگی (alienation) کا شکار ہو چکا ہوں۔ کیا یہ مضحکہ خیز نہیں ہے کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں اتنی بھوک اور غربت ہو، وہاں عام لوگوں کے احساسات، خواہشات اور رویے آج کے امریکیوں، انگریزوں یا فرانسیسیوں جیسے ہوں؟

اس طرح غیر یورپی معاشرے یورپی معاشروں کے ہاتھوں بیگانگی کا شکار ہو جاتے ہیں: ان کے دانشور اب مشرقی محسوس نہیں کرتے، نہ مشرقی انسان کی طرح کراہتے ہیں اور نہ ہی مشرقی بننے کی تمنا کرتے ہیں۔ وہ دانشور اپنے سماجی مسائل کی وجہ سے تکلیف نہیں اٹھاتا، بلکہ وہ ایک ایسے یورپی کے درد، مصائب، احساسات اور ضروریات کا تصور کرتا ہے جو سرمایہ دارانہ اور مادی کامیابی و لطف اندوزی کے آخری مرحلے میں ہو۔ اس طرح، آج غیر یورپی ممالک میں ایک انتہائی دردناک مرض پھیل چکا ہے—ایک ایسا نفسیاتی مرض جس میں غیر یورپی لوگ ایک منفرد کردار کے مالک ہونے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں۔ وہ اپنے ذہن میں کسی اجنبی چیز کو جگہ دیتے ہیں۔ وہ کسی اور کا تصور کرتے ہیں اور اندھی تقلید کرتے ہیں۔

ایک مستحکم ماضی اور مشین کا جبر

یہ غیر یورپی ممالک، اگر ۲۰۰ سال پہلے دیکھے جائیں، تو شاید ان کے پاس آج کی مغربی تہذیب نہیں تھی، لیکن ان میں سے ہر ایک کی اپنی ایک مستند اور مضبوط تہذیب تھی۔ مثال کے طور پر، اگر میں انڈیا یا کسی افریقی ملک جاتا، تو مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے اپنے منفرد ذوق اور عمارتیں تھیں۔ وہ اپنی منفرد شاعری لکھتے تھے، جو ان کی ثقافت سے مطابقت رکھتی تھی اور ان کی زندگیوں سے جڑی تھی۔ ان کا اپنا منفرد سماجی طریقہ کار اور اپنا مذہب تھا۔ ان کے پاس جو کچھ بھی تھا، ان کا اپنا تھا۔ وہ بیمار نہیں تھے؛ غریب ضرور تھے، لیکن غربت بیماری سے مختلف چیز ہے۔

مگر آج، مغربی معاشرے غیر یورپی ممالک پر اپنا فلسفہ، اپنی سوچ، اپنی خواہشات، اپنے نظریات، اپنے ذوق اور اپنے طور طریقے اسی حد تک مسلط کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں جس حد تک وہ ان ممالک میں اپنی تہذیب کی علامتیں (تکنیکی ایجادات) بھیجنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ وہ ممالک ہیں جو نئی مصنوعات اور گیجٹس (gadgets) تو استعمال کرتے ہیں، لیکن وہ کبھی بھی یورپی طور طریقوں، خواہشات، ذوق اور سوچ کے انداز کے ساتھ خود کو ہم آہنگ نہیں کر پاتے۔

ہم نے مختلف حصوں اور عناصر کو اکٹھا کر کے ایک جدید لیکن بے ڈھنگا معاشرہ بنانا شروع کر دیا جس کا کوئی مقصد یا ہدف نہیں۔ اس مسخ شدہ نتیجے میں ہمیں ہر جگہ سے حصے ملتے ہیں—کچھ مقامی، کچھ یورپی، کچھ پرانے طرز کے اور کچھ جدید—جس سے ایک بے شکل اور بے مقصد الجھن پیدا ہوتی ہے، اور نتیجے کے طور پر ایک بے شکل اور بے مقصد معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ ایسے ہی معاشرے وہ غیر یورپی معاشرے ہیں جنہوں نے پچھلی صدی کے دوران تہذیب کے نام پر مغرب سے اپنا تعمیری مواد حاصل کیا ہے۔

غیر یورپی ممالک میں اس "موزیک" (مختلف ٹکڑوں سے جڑی) تہذیب کے ابھرنے کی اصل وجہ کیا ہے جس کی کوئی خاص شکل اور متعین ہدف نہیں ہے؟

مشین یورپ میں ۱۷ ویں، ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی کے دوران سرمایہ داروں اور امیروں کے ہاتھوں میں نمودار ہوئی اور تیار ہوئی۔ مشین کی یہ خصوصیت ہے کہ جب یہ کام کر رہی ہو تو اسے پیداوار میں مسلسل اضافے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ **"مشین کا جبر" (machine's coercion)** ہے۔ اس لیے، مال کے ذخیرہ ہونے (اسٹاک پائلنگ) سے بچنے کے لیے، اسے مسلسل کھپت (consumption) کی ضرورت بھی پیدا کرنی پڑتی ہے۔ تاہم، لوگوں کی کھپت اس رفتار سے نہیں بڑھتی جس رفتار سے پیداوار بڑھتی ہے۔ تو پھر زائد پیداوار یا سرپلس کا کیا کیا جائے؟ کھپت کے نئے میدان فراہم کیے جانے چاہئیں۔ یورپی ممالک کی آبادی ۴۰ سے ۶۰ ملین (چار سے چھ کروڑ) سے زیادہ نہیں ہے۔ پیداوار کی دیوانہ وار شرح، جو مسلسل بڑھ رہی ہے، لوگوں کی کھپت کی خواہشات سے تجاوز کر جاتی ہے۔ چنانچہ چونکہ مشین نے مجبوری کے تحت ضرورت سے زیادہ سامان تیار کیا ہے،

اس لیے اسے اپنی قومی سرحد سے باہر قدم رکھنا ہی تھا، جس کے نتیجے میں یہ سرپلس سامان ایشیا اور افریقہ جانا تھا۔

کیا ان مصنوعات کو واقعی مشرق میں لے جایا جا سکتا تھا، جہاں کا طرزِ زندگی ان کا تقاضا نہیں کرتا، اور وہاں کے لوگوں کو ان کے استعمال پر مجبور کیا جا سکتا تھا؟ ناممکن! جب آپ کسی ایشیائی معاشرے میں داخل ہوتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ ایشیائی کا لباس اس کی بیوی نے یا کسی مقامی ورکشاپ میں بنایا ہوتا ہے۔ وہ روایتی لباس پہنتے ہیں۔ یہاں ان فیکٹریوں کی مصنوعات کی کوئی مانگ نہیں تھی جو مشینیں، یا "ہائی فیشن" کے کپڑے، یا یورپ کے "جدید" کپڑے بناتی ہیں۔

ایک افریقی یا ایشیائی عورت کو یورپی کاسمیٹکس (آرائش کا سامان) کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی خود کو خوبصورت بنانے اور سجنے سنوارنے کے لیے یورپی زیورات کی ضرورت تھی۔ اس کے پاس پہلے سے ہی اپنے کاسمیٹکس، اپنا مواد اور میک اپ موجود تھا۔ وہ انہیں استعمال کرتی تھی اور سب اس کی تعریف کرتے تھے۔ نہ ہی وہ تبدیلی کی کوئی ضرورت محسوس کرتی تھی۔

اس رویے کے نتیجے میں، سرمایہ دار کا مال بکنے سے رہ گیا۔ اس سوچ کے حامل لوگ، جن کی اپنی منفرد ضروریات اور ذوق تھے، جن کا اپنا طرزِ زندگی تھا اور جو اپنی ضروریات خود پیدا کرتے تھے، وہ اس قسم کے لوگ نہیں تھے جو ۱۸ ویں صدی کے سرمایہ داروں کی مصنوعات خریدتے۔ تو پھر کیا کیا جائے؟

مسئلہ یہ تھا کہ ایشیا اور افریقہ کے لوگوں کو یورپی مصنوعات کا خریدار (consumer) بنایا جائے۔ ان کے معاشروں کو اس طرح ڈھالا جائے کہ وہ یورپی مصنوعات خریدیں۔ اس کا مطلب تھا لفظی طور پر ایک قوم کو بدلنا۔ انہیں قوم کو تبدیل کرنا تھا، اور انہیں ایک انسان کو تبدیل کرنا تھا تاکہ اس کا لباس، اس کا پیٹرن، اس کی آرائش، اس کا گھر اور اس کا شہر بدلا جا سکے۔

اور اس کی سوچ۔ **(morale)** اس کا کون سا حصہ پہلے بدلنا تھا؟ **اس کا حوصلہ**
یہ روشن خیال یورپی دانشوروں کا کام تھا کہ وہ غیر یورپی لوگوں کے ذہن، ذوق اور طرزِ زندگی کو بگاڑنے کا ایک خاص طریقہ وضع کریں۔ منصوبہ یہ تھا: دنیا کے

تمام لوگوں کو یکساں (uniform) ہونا چاہیے۔ انہیں ایک جیسا رہنا چاہیے۔ انہیں ایک جیسا سوچنا چاہیے۔

یکسانیت کا منصوبہ اور مذہب پر حملہ

کسی انسان اور قوم کی شخصیت اور روح میں کون سے ساختی عناصر شامل ہوتے ہیں؟ مذہب، تاریخ، ثقافت، ماضی کی تہذیب، تعلیم اور روایت۔ یہ تمام ذکر کردہ عناصر کسی انسان اور عام معنوں میں ایک قوم کی شخصیت اور روح کے ساختی عناصر ہیں۔ یہ عناصر ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے میں مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے نتیجے میں یورپ میں ایک شکل بنتی ہے، ایشیا اور افریقہ میں دوسری۔ ان سب کو ایک جیسا بننا تھا۔ قوموں کی سوچ اور روح کے اختلافات کو ختم کرنا تھا تاکہ انسان یکساں ہو جائیں۔ انہیں، وہ جہاں کہیں بھی ہوں، ایک ہی نمونے کے مطابق ڈھلنا تھا۔

یہ نمونہ کیا ہے؟ یہ نمونہ یورپ فراہم کرتا ہے: یہ تمام مشرقیوں، ایشیائیوں، افریقیوں کو سکھاتا ہے کہ کیسے سوچنا ہے، کیسے لباس پہننا ہے، کس چیز کی خواہش کرنی ہے، کیسے غم کرنا ہے، اپنے گھر کیسے بنانے ہیں، اپنے سماجی تعلقات کیسے قائم کرنے ہیں، کیسے چیزیں استعمال کرنی ہیں، اپنی رائے کا اظہار کیسے کرنا ہے، اور بالآخر کس چیز کو پسند کرنا ہے اور کیسے پسند کرنا ہے۔ جلد ہی یہ محسوس کر لیا جاتا ہے کہ ایک نئی ثقافت جسے "جدت پسندی (modernization)" کا نام دیا گیا، پوری دنیا کے سامنے پیش کی گئی۔

یورپیوں نے محسوس کیا کہ مشرقی باشندے کو "جدت پسندی" کی زبردست خواہش کا لالچ دے کر، وہ اسے اپنے ہی ہاتھوں اپنے ماضی کا انکار کرنے اور اپنی منفرد ثقافت، مذہب اور شخصیت کے اجزاء کو تباہ و برباد کرنے پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ "جدت پسندی" کا لالچ اور تڑپ پورے مشرقِ بعید، مشرقِ وسطیٰ، مشرقِ قریب اور اسلامی و سیاہ فام ممالک میں پھیل گئی اور جدید ہونے کو یورپیوں جیسا بننا سمجھا جانے لگا۔

اگر سختی سے کہا جائے تو "جدید" ہونے کا مطلب ہے **مصنوعات کے استعمال (consumption) میں جدید ہونا۔** جو جدید بنتا ہے وہ وہ ہے جس کا ذوق اب

اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے "جدید" اشیاء کا خواہش مند ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، وہ یورپ سے زندگی گزارنے کے نئے طریقے اور جدید مصنوعات درآمد کرتا ہے، اور وہ اپنے اصل اور قومی ماضی سے تیار کردہ طرزِ زندگی اور مصنوعات کا استعمال نہیں کرتا۔ غیر یورپی لوگ صرف کھپت کی خاطر جدید بنائے گئے ہیں۔

تاہم، مغربی لوگ دوسروں سے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ مزاحمت کے خوف سے ان کی عقل، ذہن اور شخصیت کو دوبارہ نئی شکل دینے جا رہے ہیں۔ اس لیے، یورپیوں کو غیر یورپیوں کے ذہن میں "جدت پسندی" کو "تہذیب" کے برابر ثابت کرنا پڑا تاکہ ان پر کھپت کا نیا پیٹرن مسلط کیا جا سکے، کیونکہ ہر انسان تہذیب کی خواہش رکھتا ہے۔ "جدت پسندی" کو "تہذیب" کے طور پر پیش کیا گیا اور یوں لوگوں نے جدید بننے کے یورپی منصوبوں میں تعاون کیا۔ چونکہ غیر یورپی لوگ نئی مصنوعات خود تیار نہیں کر سکتے تھے، اس لیے وہ خود بخود اس ٹیکنالوجی پر منحصر ہو گئے جو ان کے لیے پیدا کرتی ہے اور ان سے امید رکھتی ہے کہ وہ جو کچھ بھی پیدا کرے، اسے خریدیں۔

جدت پسندی روایات، کھپت کے طریقے اور مادی زندگی کو پرانے سے نئے میں تبدیل کرنا ہے۔ تمام غیر یورپیوں کو جدید بنانے کے لیے، انہیں پہلے مذہب کے اثر پر قابو پانا تھا، کیونکہ مذہب کسی بھی معاشرے کو ایک مخصوص انفرادیت کا احساس دلاتا ہے۔ مذہب ایک بلند تر فکری معیار قائم کرتا ہے جس سے ہر شخص فکری طور پر جڑتا ہے۔ اگر اس عقل یا فکری معیار کو کچل دیا جائے اور ذلیل کیا جائے، تو جو شخص اس کے ساتھ اپنی شناخت جوڑتا ہے وہ بھی خود کو کچلا ہوا اور ذلیل محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ مقامی دانشوروں نے "تعصب" یا "تنگ نظری" (fanaticism) کے خلاف ایک تحریک شروع کی۔

جیسا کہ فرانٹز فینن (Frantz Fanon) کہتا ہے:

"یورپ کا ارادہ مشین کے ذریعے غیر یورپی کو غلام بنانا تھا۔ کیا کسی انسان یا معاشرے کو اس کی شخصیت چھینے یا اسے محروم کیے بغیر کسی مشین یا مخصوص یورپی مصنوعات کا غلام بنایا جا سکتا ہے؟"

نہیں، ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ شخصیت کو پہلے مٹانا ہو گا۔

شخصیت کا خاتمہ اور احساسِ کمتری

وہ اسے اس کی شخصیت سے محروم کر دیں گے۔ اسے اپنے اندر محسوس ہونے والی تمام "میں" (شناخت) سے محروم کرنا ہو گا۔ اسے یہ یقین کرنے پر مجبور کیا جانا چاہیے کہ وہ ایک کم تر تہذیب، ایک کم تر سماجی نظام سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ قبول کرنا چاہیے کہ یورپی تہذیب، مغربی تہذیب اور مغربی نسل برتر ہے۔ افریقہ کو یہ یقین کرنا ہو گا کہ افریقی ایک وحشی ہے، تاکہ وہ "مہذب" ہونے کی لالچ میں آئے اور خود کو آسانی سے یورپیوں کے ہاتھوں میں دے دے جو اس کی تقدیر کا فیصلہ کریں گے۔ وہ غریب انسان یہ نہیں سمجھتا کہ اسے مہذب بنانے کے بجائے جدید بنایا جا رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اچانک ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی میں افریقیوں کو وحشی اور آدم خور کے طور پر بیان کیا گیا۔ وہ افریقی جو صدیوں سے اسلامی تہذیب سے وابستہ تھے، کبھی آدم خور کے طور پر نہیں جانے جاتے تھے۔ اچانک سیاہ فام افریقی آدم خور بن جاتا ہے، اس کی ایک خاص بو ہوتی ہے، اس کی ایک خاص نسل ہوتی ہے۔ اس کے دماغ کا سرمئی حصہ (grey part) کام نہیں کرتا، اور اس کے دماغ کا اگلا حصہ، ایشیائیوں کی طرح، مغربیوں کے مقابلے میں چھوٹا ہوتا ہے!

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نئی ثقافت "مغربی برتری" اور "اس کی تہذیب اور اس کے لوگوں کی برتری" کی بنیاد پر تعمیر کی گئی۔ انہوں نے ہمیں اور پوری دنیا کو یہ یقین دلایا کہ یورپی ذہنی اور تکنیکی طور پر غیر معمولی باصلاحیت تھا، جبکہ مشرق کے پاس عجیب جذباتی اور عرفانی (Gnostic) صلاحیتیں تھیں اور سیاہ فام صرف ناچنے، گانے، پینٹنگ اور مجسمہ سازی کے لیے اچھا تھا!

پھر یہی سوچ، جسے دنیا میں غیر یورپی اقوام کو جدید بنانے کی ضرورت کو جواز دینے کے لیے متعارف کرایا گیا تھا، غیر یورپی اشرافیہ (elites) کی سوچ کی بنیاد بن گئی! جدت پسندی کس چیز میں؟ کھیت میں، ذہن میں نہیں۔ تہذیب کے نام پر، جدت پسندی کی مہم چلائی گئی، اور پھر ۱۰۰ سے زیادہ سالوں تک،

غیر یورپی معاشروں نے خود اپنے نفیس دانشوروں کی قیادت میں جدید بننے کی جدوجہد کی!

"نیم دانشور" کا کردار

آئیے دانشوروں کے اس طبقے کی پیدائش اور بناوٹ پر غور کریں۔ جین پال سارتر (Jean Paul Sartre) کتاب "The Wretched of the Earth" کے مقدمے میں لکھتا ہے:

"ہم افریقی یا ایشیائی نوجوانوں کے ایک گروپ کو ایمسٹرڈیم، پیرس، لندن لاتے... چند مہینوں کے لیے، انہیں گھماتے پھراتے، ان کے کپڑے اور آرائش بدلتے، انہیں آداب اور سماجی طریقے سکھاتے اور ساتھ ہی زبان کا کچھ حصہ سکھاتے۔ مختصراً، ہم انہیں ان کی اپنی ثقافتی اقدار سے خالی کر دیتے اور پھر انہیں واپس ان کے ممالک بھیج دیتے۔ وہ اب ایسے لوگ نہیں رہے تھے جو اپنے ذہن کی بات کر سکیں؛ بلکہ وہ ہمارے ترجمان (mouthpieces) تھے۔ ہم انسانیت اور برابری کے نعرے لگاتے اور پھر وہ افریقہ اور ایشیا میں ہماری آواز کی بازگشت بنتے، 'انسانیت،' 'برابری۔'"

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے لوگوں کو قائل کیا کہ وہ اپنی راسخ العقیدگی (orthodoxy) کو چھوڑ دیں، اپنے مذہب کو ترک کر دیں، مقامی ثقافت سے چھٹکارا حاصل کریں (کیونکہ ان چیزوں نے انہیں جدید یورپی معاشروں سے پیچھے رکھا ہوا تھا) اور پاؤں کے انگوٹھے سے لے کر سر کی چوٹی تک مغربی رنگ میں رنگ جائیں!

برآمد اور تبادلے کے ذریعے یورپی بننا کیسے ممکن ہے؟ کیا تہذیب کوئی ایسی مصنوعات ہے جسے کوئی ایک جگہ سے دوسری جگہ برآمد اور درآمد کر سکے؟ جدید مصنوعات کا مجموعہ ہے جسے (modernity) بالکل نہیں؛ لیکن جدت ایک معاشرہ ۱، ۲ یا ۵ سال کے عرصے میں درآمد کر سکتا ہے۔ ایک خاص معاشرہ چند سالوں میں مکمل طور پر جدید ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک فرد بھی مکمل طور پر جدید ہو سکتا ہے، یہاں خود یورپی سے بھی زیادہ جدید۔ آپ اس کے

کھپت کا طریقه بدل دیں اور وہ جدید ہو جاتا ہے۔ یورپی بالکل اسی چیز کی توقع کر رہے تھے۔

لیکن کسی قوم یا معاشرے کو مہذب بنانا اتنا آسان نہیں ہے۔ تہذیب اور ثقافت یورپ کی بنی ہوئی مصنوعات نہیں ہیں جن کی ملکیت کسی کو مہذب بنا دیتی ہے۔ لیکن انہوں نے ہمیں یه یقین دلایا که یه تمام جدت پسندی کا فیسکو تہذیب کا مظہر تھا! اور ہم نے بے تابی سے وہ سب کچھ پھینک دیا جو ہمارے پاس تھا، یہاں تک که اپنا سماجی وقار، اخلاقیات اور عقل بھی، تاکه اس چیز کے پیاسے خریدار بن جائیں جسے یورپ ہمارے منه میں ٹپکانے کا خواہش مند تھا۔ جدت پسندی کا اصل مطلب یہی ہے۔

اس طرح ایک ایسا وجود پیدا ہوا جو کسی بھی پس منظر سے محروم، اپنی تاریخ اور مذہب سے بیگانه، اور اس سب کے لیے اجنبی تھا جو اس کی نسل، اس کی تاریخ اور اس کے اسلاف نے اس دنیا میں تعمیر کیا تھا؛ اپنی انسانی خصوصیات سے بیگانه، ایک سیکنڈ ہینڈ شخصیت جس کے کھپت کا طریقه بدل دیا گیا تھا، جس کا ذہن بدل دیا گیا تھا، جو اپنے پرانے قیمتی خیالات، اپنے شاندار ماضی اور فکری خصوصیات کو کھو چکا تھا اور اب اندر سے خالی ہو چکا تھا۔ جیسا که جین پال سارتر کہتا ہے:

"ان معاشروں میں ایک 'ایسیمیلیٹ' (assimilate)— یعنی ایک نیم مفکر اور نیم تعلیم یافته شخص—پیدا کیا گیا، نه که ایک حقیقی مفکر یا دانشور۔"

ایک حقیقی دانشور وہ ہے جو اپنے معاشرے کو جانتا ہو، اس کے مسائل سے واقف ہو، اس کی تقدیر کا فیصله کر سکے، اس کے ماضی کے بارے میں علم رکھتا ہو اور جو اپنے فیصلے خود کر سکے۔ تاہم، یه نیم دانشور لوگوں کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

یورپ اور امریکه میں، جب لوگ کسی ایسی جگه جاتے ہیں جہاں جاز (jazz) میوزک بج رہا ہو اور انہیں وہ پسند نه آئے، تو وہ سیدھے اور اونچی آواز میں کہه دیتے ہیں۔ لیکن مشرقی ممالک میں کوئی بھی اتنا بہادر نہیں ہو سکتا جو یه کہه سکے که "جاز برا ہے اور مجھے یه پسند نہیں ہے۔" کیوں؟ کیونکه انہوں نے اس کے

پاس اتنی شخصیت اور انسانی قدر ہی نہیں چھوڑی کہ وہ اپنے لباس کا رنگ اور اپنے کھانے کا ذائقہ خود منتخب کر سکے۔

:جیسا کہ فینن کہتا ہے

" ایشیائی ممالک کو یورپ کا پیروکار بنانے اور بندر کی طرح اس کی نقل کرنے پر مجبور کرنے کے لیے، انہیں غیر یورپیوں پر یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ یورپیوں جیسی انسانی اقدار کے مالک نہیں ہیں۔ انہیں ان کی تاریخ، ادب، مذہب اور فن کو حقیر دکھانا تھا تاکہ وہ ان سب سے بیگانہ ہو جائیں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یورپیوں نے بالکل یہی کیا۔"

انہوں نے ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جو اپنی ثقافت کو نہیں جانتے، لیکن پھر بھی اس کی تحقیر کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے لیکن اس کے بارے میں بری باتیں کہتے ہیں۔ وہ اپنی تاریخ کو نہیں سمجھتے لیکن اس کی مذمت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ دوسری طرف، بغیر کسی جھجک کے وہ ان تمام چیزوں کی تعریف کرتے ہیں جو یورپ سے درآمد کی جاتی ہیں۔

نتیجتاً ایک ایسا وجود پیدا ہوا جو پہلے اپنے مذہب، ثقافت، تاریخ اور پس منظر سے بیگانہ ہوا، اور پھر ان سے نفرت کرنے لگا۔ اسے یقین دلایا گیا کہ وہ یورپی سے کم تر ہے۔ اور جب یہ عقیدہ اس میں جڑ پکڑ گیا، تو اس نے خود کو مسترد کرنے، اپنے سے جڑی تمام چیزوں سے اپنے تعلقات منقطع کرنے اور کسی نہ کسی طرح خود کو ایک یورپی جیسا بنانے کی کوشش اور خواہش کی، جسے حقیر اور کم تر نہ سمجھا جائے، اور وہ کم از کم یہ کہنے کے قابل ہو سکے کہ " :خدا کا شکر ہے کہ میں مشرقی نہیں ہوں کیونکہ میں نے خود کو یورپی سطح تک پہنچانے کے لیے کافی حد تک جدید بنا لیا ہے۔"

اور جہاں غیر یورپی اس بات پر خوش ہے کہ اسے جدید بنا دیا گیا ہے، وہاں یورپی سرمایہ دار اور بورژوا (bourgeois) اپنی زائد پیداوار کا خریدار بنانے میں اس کامیابی پر ہنس رہے ہیں!